مغل حکمران اور شیخ محدث عبدالحق دہلوی کے اثرات

فرزانہ جبین*

ABSTRACT:

Preaching and influence of Islam in India was started with the begining of Islam.Although Hethrodoxy became the part of Islam due to different reasons. During sixteen century Indian Muslim Society was the victim of religious sceptieism and adrifts. During said period Sheikh Abdul Haque Muhaddis Delhvi have the most prominent place among those persons, who raised the voice against this thrend. He made many efforsts for the revival of Orthrodaxy by study, teaching and publishing of books.In the result conspicuous impacts were observed during Mughal period. On goverment level various affairs abandoned during the right of Mughal rulers which caused Hethrodaxy. Islamic practices were prefered on goverment level and Orthodoxy was privileged by this way.

Keywords: Mughals, Sheikh Abdul Haque Muhaddis Delhvi, Orthrodaxy, Hethrodoxy, Revival, India.

ہندوستان میں سولہویں صدی فکری و روحانی اعتبار سے اعتقادی انتشار کی صدی تھی۔ ابتداً بعض مطلق العنان اور آزاد روصوفی اس کا سبب تھے بعد ازاں بعض مسلم حکمرانوں اور ان کے عمائدینِ سلطنت نے اپنی ضعیف الاعتقادی سے اس اضطراب و پراگندگی میں تشویشناک حد تک اضافہ کر دیا اور فی الواقع حقیقی اسلام خرافات وروایات میں گم ہو کر رہ گیا۔ مذہبی انتشار، دینی گمراہیاں، رسوم و بدعات کی فراوانی، عقائد و احکام کو رسوم و رواج سے خلط ملط کرنے کا سلسلہ، علماء سو کی جاہ پسندی اور دنیا طلبی اس عہد کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان تمام رجحانات کے خلاف سولہویں صدی کے نصف دوم میں شمالی ہندوستان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علوم دینیہ کے میدان میں انتہائی تحمل و برداشت کے ساتھ علمی و قلمی جہاد کا آغاز کیا۔

شیخ صاحب تحفظ اسلام، نفاذ و ترویج شریعت اسلامیہ اور علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے نہ صرف درس و تدریس کے مسند پر فروکش رہے بلکہ اپنی چورانوے (۹۴) سالہ زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کیا۔ ان دونوں جہات سے کی جانے والی کاوشوں کا ایک ہی مقصد یعنی ضعیف اعتقادی کا استیصال تھا۔ ان کاوشوں کا تذکرہ راقم الحروف کے تحقیقی مقالے

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی، کراچی　　برقی پتا: farzana03@coolgoos.com
تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۶/۴/۴ء

بعنوان ''شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شمالی ہند میں علم حدیث کا فروغ'' میں کیا گیا ہے۔ مذکورہ مقالہ ۲۰۱۱ء میں سہ ماہی ''الزبیر'' کے شمارہ ۳،۴ میں شائع ہو چکا ہے۔ راسخ الاعتقادی کے احیاٗ کے لیے شیخ صاحب کی اس تحریک کے سرکاری سطح پر دوررس اثرات ظاہر ہوئے۔

درحقیقت کسی بھی معاشرہ میں کسی تحریک کے جاری اور بااثر ہونے کا حکمران طبقے سے بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحریک کے جاری اور بااثر ہونے میں اس طبقے کا کردار اہم ہے۔ سرکاری سطح پر اس تحریک کے اثرات کا آغاز عہدِ اکبری سے ہی ہو چکا تھا۔ اگرچہ اکبر نے اپنے انحرافی عقائد کو کلاًترک تو نہیں کیا تھا تاہم اپنے دست راست اور معاونِ خصوصی ابوالفضل کے قتل (۱۰۱۰ھ) (۱) سے کچھ عرصے قبل اپنی تحقیقات یا اپنے تجربات کو سرگرمی کے ساتھ جاری نہ رکھا۔ (۲) ابوالفضل کی موت کے ساتھ ہی شاہی دربار میں راسخ العقیدہ امرأ کی گرفت بھی انتظامیہ پر مضبوط ہونے لگی۔ ان امراء میں اکبر کا رضاعی بھائی مرزا عزیز کوکہ، معتمد شاہی بخشی شیخ فرید اور لاہور کا صوبیدار قلیج خان شامل تھے۔ یہ امراء شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور خواجہ باقی باللہ کے راسخ العقیدہ خیالات سے متاثر تھے۔ (۳) خاص طور پر شیخ فرید (۴) راسخ العقیدگی پر مضبوطی سے قائم رہے۔

شیخ فرید علماء سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ حالات کی اصلاح کے لیے علماء ومشائخ کی نظرِ انتخاب بھی ان ہی پر پڑی۔ شیخ مجدد کے ساتھ ساتھ شیخ محدث دہلوی نے احیاء سنت وشریعت کے لیے ان ہی کی حمیت دینی کو متحرک کیا۔ شیخ صاحب نے اکبر کے انتقال کے بعد نواب سید فرید مرتضیٰ خان کے ذریعہ جہانگیر کو تاریخی خط تحریر کیا جس کی ایک ایک سطر سے دین اور ملتِ اسلامیہ کا درد ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس خط میں شیخ صاحب نے دنیا کی بے ثباتی، عدل وانصاف کی اہمیت، مقام نبوت اور اتباع شریعت ایسے مسائل پر کھل کر گفتگو کی ہے تاکہ جہانگیر اپنے پیشرو کی گمراہیوں کا مرتکب نہ ہو۔ اس کے علاوہ شیخ نے اکبری دور کے دیگر امراء سلطنت کو بھی خطوط تحریر کیے اور امراء کی دینی غیرت کو جوش دلایا۔ (۵)

بخشی کے عہدے پر فائز شیخ فرید نے راسخ العقیدگی کی حمایت کرتے ہوئے فوج میں ہم خیال لوگوں کو بھرتی کیا اور احیائے دینِ اسلام کی تحریک کی ہر جگہ حمایت کی۔ مجدد الف ثانی بھی اکبری الحاد کے خلاف شیخ فرید کو ہی خطوط تحریر کیا کرتے تھے۔ (۶)

عہدِ جہانگیر (۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء تا ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء)

اکبر کے بعد جہانگیر کے عہدِ حکومت میں رواداری اور آزاد خیالی کی عمومی فضا برقرار رہی تھی اور اس کی مذہبی حکمت عملی اکبری رواداری ہی کا تسلسل تھی۔ (۷) اس صورت حال کا ایک بڑا سبب جہانگیر کا مزاج تھا جس کی تشکیل شیخ سلیم چشتی کے حجرے میں ہوئی تھی اور اسی حجرے کے مذہبی ماحول میں اس نے زمانہ طفولیت ختم کیا۔ (۸) یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اس عہد کے رجحانات کے مطابق اس مذہبی ماحول پر صوفیانہ رنگ غالب تھا، لہٰذا وہ مذہبی ماحول توہمات اور خلافِ شرع

رسوم وعادات سے پاک صاف نہ تھا۔(۹) شمس العلماء ذکاء اللہ خان صاحب کا خیال تو یہ ہے کہ

''ان حالات نے جو اس کے گرد لڑکپن میں تھے جہانگیر کو خود پرست اور توہمات میں مبتلا کر دیا اور دنیا سے بے خبر رکھا''۔(۱۰)

اکبر کی مانند جہانگیر بزرگانِ چشت بالخصوص حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے اعتقاد رکھتا تھا۔ان کے مزار پر پانچ ہزار نفوس کی بیک وقت شکم سیری کے لیے ایک دیگ نصب کروائی اور نویں سال جلوس میں اجمیر شریف میں قیام کے دوران بیماری سے صحت کے حصول کے لیے خواجہ صاحب کے مزار پر بھی منت مانگی تھی جو کہ پوری ہوئی۔منت کی تکمیل پر ماہ رجب میں اپنے کانوں میں سوراخ کر کے خواجہ صاحب کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہونے کی غرض سے ہر کان میں مروارید آبدار کا ایک دانہ ڈال لیا، جس کی تقلید ارکینِ سلطنت اور شاہی ملازمین سمیت خاص وعام نے کی۔(۱۱)

شیخ سلیم چشتی سے اظہار عقیدت کے لیے شیخ صاحب کے پوتوں اور اپنے رضاعی بھائیوں اور دوستوں شیخ علاؤالدین اور شیخ بایزید کو تخت نشینی کے فوراً بعد ہی اعزاز واکرام سے نوازا۔جہانگیر نے اپنی توزک میں تحریر کیا ہے:

''شیخ بایزید جو پہلے دوہزاری منصب رکھتے تھے، جلوس کے دن ان کو سہ ہزاری منصب دیا، سب سے پہلے ان کی ماں نے مجھے دودھ پلایا تھا۔شیخ علاؤالدین جو مجھ سے بہت قوی تعلقات رکھتے تھے۔جلوس کے دن ان کو سہ ہزاری کے خطاب سے سربلند کیا۔ان کو مجھ سے اس درجہ محبت ہے کہ میں نے ان کو'' فرزند'' کا خطاب عطا کیا''۔(۱۲)

اس پر مستزاد جہانگیر، اکبر کا بیٹا بھی تھا اور مرید بھی۔اکبر کے خیالات جہانگیر کی فطرت میں داخل تھے جو بے اختیار وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے تھے۔مثلاً اکبر کے زیرِ اثر وہ نجومیوں کا بھی معتقد تھا اور تمام بڑے بڑے کام ان کے مشورہ اور تشخیص کے مطابق ساعتِ سعید میں شروع کرتا تھا۔بارہ برجون کے مطابق بارہ سکے بنوائے۔جن کی ایک جانب میں ایک ایک برج کی تصویر کندہ تھی۔وہ تاروں کو اگرچہ مؤثر حقیقی نہیں مانتا تھا مگر مؤثر ضرور مانتا تھا اور ان کو نورِ الٰہی کا مظہر قرار دیتا تھا۔(۱۳)

اگرچہ کم ہی سہی لیکن مذہب میں خودرائی کا عنصر اکبر سے جہانگیر کو منتقل ہوا تھا۔باپ کی طرح وہ بھی مرید کرتا تھا اور اس کی تلقین تھی کہ کسی مذہب کی دشمنی سے اپنے وقت کو گندہ نہ کرو۔تمام مذہب والوں کے ساتھ صلح کل کا طریقہ ملحوظ رکھو۔کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے مت مارو مگر جنگ اور شکار میں۔(۱۴)

اس صلح کل کا اثر یہ تھا کہ جس طرح وہ مسلمان فقراء سے ملتا تھا، اسی طرح ہندو سادھوؤں سے بھی عقیدت سے ملتا اور ان کا احترام کرتا تھا۔سیاست یہ تھی کہ ہندو اور مسلمانوں کے مشترک بادشاہوں کو دونوں قوموں کے مذہبی جذبات کا مظہر بننا چاہئے۔(۱۵)

اکبر تمام سال میں صرف تین مہینے گوشت کھاتا تھا، جہانگیر اپنے والد کی پیروی میں ہفتہ میں دوروز ذبح کی ممانعت کیا

کرتا تھا۔شراب نوشی کو اچھا تو نہ سمجھتا تھا تاہم بالکل پرہیز بھی نہ تھا۔(۱۶)

یہ تمام حقائق اس امر کا مسلمہ ثبوت ہیں کہ جہانگیر پر ’’مذہبیت‘‘ کا رنگ تھا، تاہم وہ مذہبیت جو رواداری کے اصول کے تحت آزاد خیالی اور صلح کل با الفاظ دیگر دگرا عتقادی کی جانب لے جاتی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہانگیر پر اکبر کی مانند چھایا ہوا دِگرا عتقادی کا یہ رنگ زمانۂ حکمرانی میں کہیں کہیں سے ماند ہونے لگا تھا۔اس کا ایک قوی سبب راسخ العقیدگی کی احیائی تحریکوں سے متاثر امراء اور منصب داروں کا عہد اکبری کے اواخر میں دربار میں اپنے اثرات کا قیام تھا۔

نواب سید فرید، قلیچ خان، لالہ بیگ زمانۂ شہزادگی سے جہانگیر کے رفیق اور معتمد علیہ تھے۔ان ہی حضرات کی کوششوں نے جہانگیر کے رجحانات میں تبدیلی پیدا کی۔(۱۷)۱۶۰۶ء میں اکبر کے انتقال کے وقت دربار میں موجود یہ راسخ العقیدہ عناصر اتنے قوی تھے کہ انہوں نے خسرو کو سریر آرائے سلطنت کرنے کا راجپوت منصوبہ ناکام بنا دیا تھا اور جہانگیر سے یہ وعدہ حاصل کرلیا تھا کہ وہ ان اسلامی اداروں کو بحال کردے گا جو اکبر کے زمانے میں معطل ہو گئے تھے۔(۱۸)

چنانچہ تخت نشینی کے پہلے ہی سال جہانگیر نے پنڈتوں سے مناظرہ کیا۔جہانگیر کے چند عالمانہ سوال پیش کرنے کے بعد جب وہ لاجواب ہوگئے تو جہانگیر نے کہا کہ یہ اجسام اللہ تعالیٰ سے ملانے کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔(۱۹)سکوں پر کلمۂ شہادت نقش کرانا مذہب پرستی کی دلیل ہے۔شبِ جمعہ میں علماء اور صلحاء سے مصاحبت رکھتا تھا۔عبادت میں رات گزارتا، اکبر آفتاب کے ناموں کی تسبیح پڑھا کرتا تھا مگر اس نے علماء سے معبود حقیقی کے نام لکھوائے اور ان کا ورد رکھتا تھا۔(۲۰)

اکبر نے دربار میں باجماعت نماز ممنوع قرار دی تھی اور صفیں بھی خارج کرادی تھیں مگر جہانگیر نے شکار خاصہ کے ہرنوں کی کھالوں کی جائے نمازیں بنوا کر دیوانِ خاص اور دیوانِ عام میں ڈلوادیں تاکہ ان پر نماز پڑھا کریں۔میر عدل اور قاضی جن پر امورِ سلطنت کا مدار تھا، حرمت شرع کے لحاظ سے ان کو اس امر کی ممانعت کردی کہ وہ سجدہ کی صورت میں زمین بوس نہ ہوا کریں۔(۲۱)

ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق اکبر نے خنزیر کی تعظیم شروع کردی تھی تاہم جہانگیر نے اجمیر شریف میں رانا شنکر کے مندر میں جب ایک ایسی مورتی دیکھی جو سنگ سیاہ سے تراشی گئی تھی اور گردن سے اوپر خنزیر اور نیچے آدمی کی شکل میں تھی اور اس کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ یہ تھا کہ (معاذ اللہ) حکیم علیم نے کسی وقت کسی مصلحت سے اس صورت میں جلوہ فرمایا تھا، تب حکم دیا کہ اس کریہہ صورت کو توڑ کر تالاب میں ڈال دیا جائے۔اسی طرح اسی قسم کی خرافات سے بھرا ہوا ایک محل مسمار کرنے کا حکم بھی صادر کیا۔ان امور سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوا۔(۲۲)

جہانگیر، اکبر کی مانند پیشانی پر قشقہ لگانا پسند نہیں کرتا تھا۔چنانچہ جہانگیر نے گو بندوال میں مقیم ارجن نامی ایک گرو کو اس بناء پر سزا دی اور اس کے گھربار کو ضبط کرلیا کہ اس نے جہانگیر کے بیٹے سلطان خسرو کو قشقہ لگایا تھا اور ہندو سادھوؤں کی

طرز پر پیش گوئی کی تھی۔(۲۳)

اسی طرح قمر خان کا بیٹا کوکب ایک سنیاسی کے زیر اثر کفر اور زندقہ سے متاثر ہو چکا تھا یہی نہیں بلکہ اس نے اپنے چچازاد بھائی عبداللطیف اور شریف کو بھی اس ضلالت اور گمراہی میں اپنا شریک بنالیا تھا۔ان امور سے آگاہی اور تصدیق کے بعد جہانگیر نے ان کی تادیب وتنبیہ ضروری خیال کرتے ہوئے کوکب اور شریف کو سزائے قید دے دی اور عبداللطیف کو سو کوڑے اپنے سامنے لگوائے۔ یہ خاص تنبیہ حفظ شریعت کے لیے کی گئی تھی تاکہ دوسرے جاہل اس قسم کی باتوں کی ہوس نہ کریں۔(۲۴) جہانگیر نے ہندو گھرانوں میں مسلم لڑکیوں کا عقد از روئے قانون ممنوع قرار دیا۔اس قسم کی بدعات کے مرتکب افراد کے لیے سخت سزائیں مقرر کی گئیں۔(۲۵)

تخت نشینی کے پندرہویں سال قلعہ کانگڑہ کی فتح کے بعد قلعہ کانگڑہ کی سیر کے موقع پر قاضی ومیر عدل اور دیگر ہم رکاب علمائے اسلام کو جملہ شعائر اسلام اور دینِ محمدی کی شرائط کی ادائیگی کا حکم دیا۔اپنی موجودگی میں قلعہ کے اندر اذان دلوائی گئی، خطبہ پڑھا گیا اور ذبیحہ گاؤ پر (جس پر اس قلعہ کی تعمیر کے وقت سے کبھی عمل نہ ہوا تھا) اپنے سامنے عمل کرایا۔شکرانے کے سجدے ادا کیے گئے اور ایک بلند وبالا مسجد قلعہ کے اندر تعمیر کی گئی۔(۲۶)

گویا جہانگیر کے اندر اگر کوئی نمایاں دینی صلاح، تشریح، فرائض اسلام کی پابندی اور کھلا ہوا دینی رجحان نہیں پایا جاتا تھا تو اس کے اندر اسلام سے کوئی بعد و وحشت، کسی دوسرے مذہبی فلسفہ یا قومی تہذیب سے مرعوبیت وشیفتگی اور کسی نئے دین وآئین کے اجراء کا شوق بھی نہیں پایا جاتا تھا۔(۲۷)

عہدِ جہانگیری کے مذکورہ بالا اقدامات سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے کہ سلطنت کا رخ اسلام کی طرف سے تغافل بلکہ تجاہل اور مخالفت سے ہٹ کر اسلام کے احترام اور شعائر اسلام کی بلندی اور بادشاہ ہند کی اسلام سے دلچسپی کی طرف تبدیل ہوا۔ جہانگیر کے عہد کے اواخیر سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ شاہجہاں کے عہد میں بھی جاری رہا۔

عہدِ شاہجہانی: (۱۰۳۶ھ/۱۶۲۷ءتا۱۰۷۵ھ/۱۶۵۸ء)

۱۰۳۶ھ میں جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں تخت نشین ہوا۔ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں اکبری طریق کار کے خلاف شروع ہونے والا ردعمل شاہجہاں کے دور میں قوی ہو گیا اور اسلام اور شعائر اسلامی پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ شاہجہاں ایک نیک دل بادشاہ، شریعت کا احترام کرنے والا، عظیم مساجد کی تعمیر کا خاص شوق رکھنے والا اور اپنی ذات سے فرائض شرعی کا پابند تھا۔ علماء اور صلحاء کو اپنے قریب رکھتا تھا اور ان پر اعتماد کرتا تھا، اس کے وزیر باتدبیر سعد اللہ خان علامی(۲۸) اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم اور صاحب درس تھے۔اس ذاتی دینداری اور خدا ترسی کے ساتھ شاہجہاں نے عہد گزشتہ کی بعض خلاف شرع رسوم وآداب کو بھی بند کیا۔ شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ صاحب لکھتے ہیں:

''جب شاہجہاں نے تخت سلطنت پر جلوس کیا تو اس کو مراسم ملت مصطفوی اور شریعتِ محمدی کا جس میں کچھ خلل پڑ گیا

تھا، ایسا پاس ولحاظ تھا کہ اوّل اس نے حکم دیا کہ سجدہ کرنے کی تعظیم کا معبود حقیقی سزاوار ہے، اب آئندہ کوئی دوسرے کے لیے اپنی پیشانی کو خاک مذلت پر نہ رکھے۔ مہابت خان کے کہنے سے اس کی جگہ پر زمین بوس مقرر کیا، مگر اس میں بھی سجدہ کے ساتھ مشابہت ہوتی تھی، لہٰذا اس کو بھی موقوف کر کے تسلیم چہارم مقرر کی۔'' (۲۹)

سر رچرڈ برن (Sir Richard Burn) لکھتا ہے:

''شاہجہاں اسلامی عقائد کو سختی سے دوبارہ نافذ کرنا چاہتا تھا، لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ معترض بھی ہونا نہیں چاہتا تھا، اس نے جلد ہی تخت شاہی کو سجدہ کرنے کی رسم دربار سے اٹھا دی، الٰہی سنہ بھی جسے اکبر نے رائج کیا تھا، سرکاری کاغذات اور سکوں پر اس کا استعمال شاہجہاں کی تخت نشینی کے چند سال بعد ختم ہوگیا۔۱۶۳۴ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مناکحت جو پنجاب و کشمیر میں عام تھی، ممنوع قرار دی گئی''۔(۳۰)

شاہجہاں کے عہد میں ملک کے دور دراز حصوں میں عجیب وغریب اعتقادات رواج پا رہے تھے۔ ۱۶۲۹ء کے واقعات میں خافی خاں (۳۱) تحریر کرتے ہیں:

> ''صوبۂ کابل کے واقعہ نگار اور وہاں کے ناظم لشکر خاں نے عرض داشت روانہ کی کہ گمراہ افغان احکام شریعت کی اصلاً پابندی نہیں کرتے اور اپنے گمراہ پیر کی جو ایک بے دین اور ملحد شخص ہے اور اس نے طرح طرح کی بدعتوں کو اس سرزمین میں رواج دے دیا ہے، پیروی اور اتباع کرتے ہیں۔ اس کی باتوں کو (استغفر اللہ) اپنے باطل عقیدہ میں قرآن کی آیت اور حدیث کا درجہ دیتے اور ملحدوں کے طریقے پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ عورتوں کو عقد کے بغیر ہی اپنے تصرف میں لے آتے ہیں اور جب طلاق دینی ہوتی ہے تو تین کنکریاں عورت کے ہاتھ میں دے کر گھر سے نکال دیتے ہیں۔ بیوہ عورتوں کو میت کا متروکہ قرار دے کر وارثوں کو ان سے نکاح کر لینے، دوسرے کو بخش دینے یا ان کی خرید وفروخت کا اختیار دے دیتے ہیں۔ میت کے متروکہ سے لڑکی کو کوئی حصہ نہیں دیتے۔ قتل اور راہزنی کو آباؤاجداد کی سنت جان کر کار خیر سمجھتے اور اس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں''۔ (۳۲)

اس عرضداشت پر بادشاہ نے حکم دیا کہ شریعت کو نافذ کرنے والے حکام ان کی اصلاح اور تنبیہ کے لیے کوشاں رہیں، چنانچہ بڑی تاکید کے بعد جس میں کئی دفعہ فساد و بلوے کی نوبت آئی، آہستہ آہستہ ان کی بدعتیں کم ہوئیں البتہ ختم نہ ہوسکیں۔ (۳۳)

شاہجہاں کی راسخ الاعتقادی کا مظاہرہ ایک اور طریقے پر بھی کیا گیا۔ گولکنڈہ کے حکمرانوں نے تیس سال تک ایران کے صفوی بادشاہوں کے نام کا خطبہ پڑھا تھا۔ (۳۴) مغل حکمرانوں کے لیے یہ امر ناقابل برداشت تھا کہ ان کی جنوبی

سرحدوں پر ان کے ایک حریف شاہی خاندان کا اثر پھیلتا جائے۔اس کے علاوہ برعظیم میں ان کی حکمت عملی قطعی توسیع تھی۔ چنانچہ شاہ جہاں نے گول گنڈہ کے حکمران کو مجبور کیا کہ خطبے میں صفوی شاہ کے بجائے اس کا نام شامل کیا جائے۔گول کنڈہ کا شاہی خاندان شیعہ تھا اور خطبے اور سکے میں بعض شیعہ عبارتیں موجود تھیں۔اس واقعہ نے شاہ جہاں کے اقدام کو ایک مذہبی رنگ دے دیا۔خطبے اور سکے میں نام استعمال کرنے پر اصرار کے ساتھ ساتھ شاہ جہاں نے یہ حکم بھی دیا کہ قابل اعتراض شیعی حوالے خارج کر دیئے جائیں۔(۳۵)

اگرچہ یہ احکام زیادہ تر سیاسی مصالح کی بناء پر جاری کیے گئے تھے کیونکہ مغل حکمرانوں کے نام کے ساتھ شیعی اصولوں پر مبنی عبارتیں بھی سکوں پر چھاپی جاتیں اور سلطنت کے کسی حصے میں ان کی اشاعت ہوتی تو حکمران وقت کے لیے دشواریاں ہو جاتیں۔تاہم ان اقدامات سے راسخ الاعتقادی کے اقتدار اور شاہ جہاں کے ذاتی میلان طبع کا اظہار ہوتا ہے۔(۳۶)

معلوم ہوتا ہے کہ عہد جہانگیری اور عہدِ شاہجہانی میں سرکاری سطح پر کیے گئے ان اقدامات کے پس پشت یقیناً شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے ہم عصر شیخ احمد سرہندی کی تعلیمات و اقدامات سے متاثر وہ گروہ تھا جو دربار میں اثر و رسوخ رکھتا اور بادشاہ وقت کے افکار پر اثر انداز ہوتا تھا۔لیکن اس حقیقت کے ساتھ یہ بھی ایک بدیہی حقیت ہے کہ دگر اعتقادی، راسخ الاعتقادی کے قدم بقدم موجود رہی اور اس موجودگی سے دگر اعتقاد حلقوں کو اپنی زندگی کا احساس ہوتا رہا۔(۳۶)

شاہجہاں کے عہد میں ان دونوں گروہوں کی نمائندگی علی الترتیب دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے ہاتھوں میں تھی۔خود شاہجہاں اس کشمکش میں راسخ العقیدگی کی جانب رجحان رکھنے کے باوجود دراشکوہ کی حمایت کرتا رہا۔اس رویہ کا ایک سبب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی گروہ کی مصمم مخالفت مول لینے کے بجائے راسخ الاعتقاد گروہوں اور ان کے مخالفین کے درمیان توازن پیدا کرنا چاہتا تھا۔(۳۷) دوسرے شاہجہاں کو اپنی اس اولاد سے بے پناہ محبت تھی، چنانچہ وہ دوسری اولاد کے مقابلے میں دارا سے امتیازی سلوک کرتا تھا۔(۳۸)

شاہجہاں کے عہد حکومت کا آخری حصہ دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان مخاصمت کی شکل میں راسخ العقیدگی اور دگر اعتقادی کی کشمکش کا دور تھا جس میں فتح راسخ العقیدگی کو حاصل ہوئی، کیونکہ عقیدت پرست علماء کی نظر میں دارا شکوہ کی تخت نشینی ایک دفعہ پھر دگر اعتقادی کو غالب کر دیتی چنانچہ انہوں نے بھرپور طریقہ پر عالمگیر کی حمایت کی، اور یوں اس کشمکش کا خاتمہ دارا کی شکست اور اورنگ زیب کی فتح کی شکل میں دگر اعتقاد گروہ پر راسخ الاعتقاد گروہ کی برتری کے نتیجہ کے طور پر سامنے آیا۔

داراشکوہ:

داراشکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ۲۹ر صفر ۱۰۲۴ھ / مارچ ۱۶۱۵ء کو عہد جہانگیری میں پیدا ہوا۔(۳۹) داراشکوہ نے عہدِ جہانگیری کے مخصوص روشن خیالی کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں۔ ابتدائی تعلیم کے لیے مولانا عبداللطیف سلطان پوری، ملا میرک شیخ ہروی اور عبدالرشید دیلمی جیسے اساتذہ کا تقرر کیا گیا۔(۴۰)

تصوف سے باقاعدہ دلچسپی کا آغاز ۱۶۳۴ء میں حضرت میاں میر قادری (۴۱) کی خدمت میں حاضری سے ہوا۔ میاں میر کو موسیقی سے گہرا لگاؤ تھا۔ ہندی راگ کو اچھی طرح سمجھتے اور اس سے محظوظ ہوا کرتے تھے۔(۴۲) مجرد زندگی بسر کرنے والے میاں میر، ابنِ عربی کے مداح ہونے کے ناطے فلسفۂ وحدت الوجود سے شدید لگاؤ رکھتے تھی۔ راہ سلوک میں پہلا مرتبہ شریعت اور اوّلین درجہ طریقت کو دیتے تھے۔(۴۳) انہوں نے ہندو فلسفے کا علم بھی حاصل کیا تھا۔ غیر مسلموں کے ساتھ کمالِ رواداری سے پیش آتے تھے اور ہندو سکھ عالموں اور دانشوروں سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ داراشکوہ ان کے ان خیالات سے بے پناہ متاثر اور عقیدت رکھتا تھا۔ اس عقیدت کے نتیجہ میں وہ میاں میر کی بیعت کرنا چاہتا تھا لیکن میاں میر کے انتقال کی بناء پر وہ اپنے ارادہ کی تکمیل نہ کرسکا۔(۴۴)

تاہم میاں میر کی صحبت میں اس نے تصوف کے قادری سلسلے سے وابستگی اختیار کرلی تھی جس کا اظہار اس نے اپنی سب سے پہلی صوفیانہ تالیف ''سفینۃ الاولیاء'' (۴۵) میں کیا۔ یہ کتاب اس نے ۲۱ر جنوری ۱۶۴۰ء کو پچپن سال کی عمر میں ختم کی۔ اس کتاب میں اس نے خود کو حنفی المشرب قرار دیا ہے۔ اس کتاب میں صوفیانہ راسخ الاعتقادی کے اثرات بالکل واضح ہیں۔(۴۶) جس سال یہ کتاب مکمل ہوئی اسی سال ۲۱را پریل کو داراشکوہ نے میاں میر کے نامور شاگرد ملا شاہ بدخشانی 47 کے ہاتھوں پر بیعت کرلی۔ ملا شاہ بدخشانی بھی فلسفۂ وحدت الوجود سے متاثر تھے، چنانچہ دیگر عقیدوں کے حامل لوگوں کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر رواداری اور انسان دوستی پر مبنی تھا۔(۴۸) اس کے تین سال بعد داراشکوہ نے اپنے محبوب مرشد میاں میر اور ملا شاہ بدخشانی کے حالات پر مبنی ایک کتاب ''سکینۃ الاولیاء'' تصنیف کی۔(۴۹)

ملا شاہ بدخشانی کے زیراثر دارا بتدریج فلسفۂ وحدت الوجود کی جانب بڑھتا گیا۔ اس زمانے میں اس کے تعلقات اس فلسفے کے دو ممتاز نمائندوں شیخ محبّ اللہ بہاری اور سرمد (۵۰) سے استوار ہو چکے تھے۔ ان کے زیر اثر فلسفۂ وحدت الوجود کی جانب اس کے رجحان کو مزید تقویت پہنچی۔(۵۱) اس رجحان کا اظہار اس نے اپنے مختصر صوفیانہ رسالے ''حق نما'' میں کیا ہے۔ یہ رسالہ جو چار فصلوں پر منقسم ہے، ۱۰۵۶ھ میں مکمل ہوا۔(۵۲)

اس زمانے میں دارا نے اعلانیہ ایسے جملے اور الفاظ عام گفتگو میں استعمال کرنے شروع کیے جو شریعت کی نظر میں قابل گرفت تھے۔ چنانچہ دارا پر اعتراضات کا آغاز ہوا۔ دارا نے ان اعتراضات کا جواب دینے کے لیے اور اس امر کی تائید میں کہ جو الفاظ حالت جذب میں کہے جائیں وہ قابل گرفت نہیں ہوتے، رسول کریم اور اصحاب کبار کے بعض صحیح اور

موضوع اقوال اور مشہور مشائخ کے ایسے فقرے جو حالتِ جذب میں کہے گئے تھے، ۱۰۶۲ھ میں ''شطحیات'' یا ''حسنات العارفین'' نامی کتاب کی صورت میں پیش کیے۔(۵۳)

اس کتاب کے ذریعہ داراشکوہ نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک ایسے درجہ اور رتبہ پر پہنچ گیا ہے، جہاں پہنچ کر کفر و اسلام کا سوال باقی نہیں رہتا۔ اس کی تصانیف کی ترتیب اس حقیقت کا اظہار تھی کہ وہ آہستہ آہستہ زندقہ اور الحاد کی راہ پر گامزن ہے۔(۵۴)

اسی دوران ہندو ویدانتیوں مثلاً بابالال داس بیراگی (۵۵) کی صحبت میں داراشکوہ کے خیالات میں انقلابی تبدیلی پیدا ہوئی۔ بابالال داس بیراگی سے وہ اکثر الٰہیاتی مسائل پر بحث کرتا تھا۔ ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے میل جول کی وجہ سے وہ ہندو علوم کے مطالعہ کے بعد ویدانت سے متاثر ہو چکا تھا۔(۵۶)

ملا شاہ اور دوسرے مسلمان مشائخ جن کا طریقہ دارا نے اختیار کیا تھا، ان کے وحدت الوجودی مشرب اور ہندو ویدانت میں کوئی بعد نہ تھا۔ چنانچہ فلسفۂ وحدت الوجود سے وحدت ادیان کے تصور تک پہنچنے میں کوئی ناقابل عبور مشکل نہ تھی۔

دارا نے دوسرے مذاہب بالخصوص ہندو ویدانت میں چھان بین شروع کی جس کا پہلا نتیجہ ''مجمع البحرین'' کی صورت میں ۱۰۵۶ھ/۱۶۵۴ء میں سامنے آیا۔ یہ کتاب مسلمان صوفیوں اور ہندو یوگیوں کے عقائد کا مجموعہ ہے اس لیے اس کا نام ''مجمع البحرین'' رکھا گیا۔ اس مختصر سے رسالے میں عناصر حواس، صفات الٰہی، نبوت، ولایت اور عالم برزخ وغیرہ کے متعلق تصوف اور یوگ کے خیالات جمع کیے ہیں اور انہیں ایک دوسرے کے مطابق ثابت کیا ہے۔(۵۷)

یہ کتاب ہندوستان کے دو بڑے مذاہب ہندومت اور اسلام کے عقائد میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے اس مسئلے سے تعلق رکھتی ہے جو مقامی صوفیوں اور بھگتی تحریک کے علمبرداروں کے پیش نظر بھی رہا تھا۔ داراشکوہ نے مجمع البحرین میں یہ مرکزی تصور پیش کیا ہے کہ آخری تجزیے میں ہندومت اور اسلام باہم مل جاتے ہیں اور مسلم تصوف اور ہندو ویدانتی فلسفے میں کوئی حقیقی اور پائیدار اختلاف موجود نہیں ہے۔ درحقیقت ان کے درمیان صرف لسانیاتی اختلاف موجود ہے جسے آسانی سے دور کیا جا سکتا ہے گویا داراشکوہ وحدت ادیان پر کامل ایمان رکھتا تھا۔(۵۸)

ہندو فلسفہ اور صنمیات کے زیرِ اثر دارا ویدانتی فلسفہ اور موحدانہ خیالات کو فارسی زبان میں منتقل کرنے پر مائل ہوا۔ اس سلسلے میں ایک مختصر سا رسالہ ''مکالمۂ داراشکوہ و بابالال'' کے عنوان سے داراشکوہ کے میر منشی اور فارسی میں پہلے صاحب دیوان ہندو شاعر چندر بھان برہمن نے مرتب کیا جس میں دارا کے سوالات اور بابالال کے جوابات ہیں۔(۵۹)

۱۰۶۶ھ/۵۶۔۱۶۵۵ء میں ہندوؤں کی دوسری کتاب ''یوگ وشِشٹ گیتا'' دارا کے ایماء پر فارسی میں منتقل کی گئی۔ اس میں شری رام چندر جی کے گورو بشسٹ کے ارشادات ہیں۔(۶۰)

دارا کی سب سے زیادہ متنازعہ اور اہم کتاب ''سرِ اکبر'' ہے۔ دراصل ملا شاہ قادری کے حکم سے دارا شکوہ نے ہندوؤں کی ویدانت کا مطالب کیا تھا۔ وہ اپ نشد (۶۱) کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ کتاب دارا شکوہ کے اسی شوق کا نتیجہ تھی۔ بنارس اور کشمیر کے پنڈتوں کی مدد سے چھ مہینہ کی مسلسل محنت کے بعد اس نے باون اپنشدوں کا ترجمہ کیا جس کا نام اس نے ''سرِ اکبر'' رکھا۔ (۶۲)

اس کتاب کا آغاز بسم اللہ کے بجائے ہندو دیوتا گنیش کی تصویر سے کیا گیا ہے۔ (۶۳) کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دارا شکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا۔ (۶۴) دارا شکوہ کو اس کتاب کے ساتھ اتنی حسنِ عقیدت تھی کہ وہ اس کو ''کتاب قدیم''، ''قرآن مجید کی اصل'' اور ''کتابِ مکنون'' قرار دیتا ہے۔ (۶۵) اس کتاب کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ:

> ''یہ کتاب بلا شک وشبہ پہلی آسمانی کتاب، بحرِ توحید کا سرچشمہ، قدیم اور قرآن مجید کی آیت بلکہ تفسیر ہے۔'' (۶۶)

معلوم ہوتا ہے کہ فلسفۂ وحدت الوجود اور بھگتی تحریک کے زیر اثر وحدت ادیان کی جو پالیسی اور رجحانات اکبر کے عہد میں عروج کو پہنچے تھے، راسخ الاعتقادی کے احیاء کی مخالفانہ تحریک کا نشانہ تو بنے تھے تاہم ان رجحانات کا یکدم استیصال ممکن العمل نہ ہوسکا تھا۔ بالخصوص عہدِ شاہجہانی کے آخیر میں دارا کی شرکت سے ان کو تقویت حاصل ہوئی تھی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ راسخ الاعتقاد گروہوں نے شکست تسلیم کرلی تھی۔ دراصل ہندوستانی معاشرے کی جڑوں میں مدت مدید سے موجود دگر اعتقادی کے رجحانات کو ختم کرنا سہل نہ تھا۔ البتہ آہستہ آہستہ مرض کا علاج کیا جارہا تھا۔ علاج کی کامیابی کا ایک ٹھوس اظہار فلسفۂ وحدت الوجود سے مغلوب دارا شکوہ کے مقابلے میں راسخ الاعتقادی کی جانب مائل اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی تھی۔

اورنگ زیب عالمگیر: (۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء تا ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء)

شاہجہاں کے آخیر عہد میں حکمران طبقہ اس حقیقت کو بخوبی محسوس کررہا تھا کہ دارا شکوہ کی کامیابی سے راسخ الاعتقادی کے مفادات کو شدید نقصان پہنچے گا۔ (۶۷) اور راسخ الاعتقاد عناصر کی نصف صدی کی جدو جہد رائیگاں چلی جائے گی۔ (۶۸)

دارا اپنی کاوشوں میں ناکام رہا اس ناکامی کا اہم اور بنیادی سبب دراصل یہ تھا کہ راسخ العقیدہ تحریکوں کے آغاز کے نتیجہ میں شرع کے مطابق تصوف کی تطبیق ہورہی تھی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالوہاب متقی کی کاوشوں سے تصوف کو تمام غیر اسلامی اور غیر شرعی عناصر سے پاک کرنے کی کوشش ہورہی تھی اور علومِ اسلامی بالخصوص حدیث کو فروغ حاصل ہورہا تھا۔

جب دارا شکوہ نے ہندو افکار و عقائد میں اپنی دلچسپی ظاہر کی۔ ان کی مذہبی کتابوں کے ترجمہ اور نشر و اشاعت میں سرگرمی دکھانے کے علاوہ ان کے کئی عقائد بھی اپنائے تو مذہبی طبقوں میں اس کے خلاف ردعمل پیدا ہوا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین

قریشی تحریر کرتے ہیں:

"دارا شکوہ کے تخت نشین ہونے کی صورت میں راسخ الاعتقاد گروہ کے لیے بہت سے خطرات درپیش تھے، کیونکہ اکبر کے آخری زمانے کے بعد سے اس گروہ کو جو کچھ کامیابی حاصل ہوئی تھی وہ سب ملیا میٹ ہو جاتی۔ دارا شکوہ ہندومت اور اسلام کے بالکل ایک ہونے پر پکا عقیدہ رکھتا تھا اور اس نے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی تھیں۔ اگر دارا شکوہ بادشاہ ہو جاتا تو اس میں اور اکبر میں خاص فرق یہ ہوتا کہ اکبر کا دماغ تو رسمی تعلیم کے ذریعہ تربیت یافتہ نہیں تھا اور دارا شکوہ ایک لائق فائق فاضل تھا۔ اس طرح وہ راسخ الاعتقادی کے مفادات کو اور زیادہ نقصان پہنچا سکتا تھا۔" (۶۹)

چنانچہ راسخ العقیدگی کی جانب مائل امراء دارا شکوہ کے مقابلے میں اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی کے خواہاں تھے جو اپنے راسخ الاعتقاد فکری رجحان کی بناء پر ان کی خواہشات کی تکمیل کے لیے بہترین معاون ثابت ہو سکتا تھا۔

قریشی صاحب رقم طراز ہیں:

"راسخ الاعتقاد طبقے کی امیدیں اورنگ زیب پر مرکوز تھیں جو اپنے عقائد و اعمال میں نہ صرف راسخ الاعتقاد تھا بلکہ زاہد و متقی بھی تھا۔ اس کی پارسائی اور کردار میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو راسخ الاعتقادی کے خیر خواہوں کو اس کے گرد جمع کرنے کے لیے ضروری ہو سکتی تھیں۔" (۷۰)

محمد اسلم تحریر کرتے ہیں:

"تخت نشینی کے لیے جنگ اورنگ زیب اور دارا شکوہ کے درمیان نہ تھی بلکہ اصل معرکہ راسخ العقیدہ اور آزاد خیال مسلمانوں، شریعت اور آزاد تصوف، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے درمیان تھا۔ اگر اورنگ زیب اوّل الذکر گروہوں کا نمائندہ تھا تو دارا شکوہ مؤخر الذکر گروہوں کا علمبردار تھا۔" (۷۱)

ان حالات میں ہندو، اکبر جیسا بادشاہ تخت پر دیکھنا چاہتے تھے اور مسلمان ان حالات سے محفوظ رہنے میں اپنی عافیت سمجھتے تھے۔(۷۲) چنانچہ فطری طور پر ہندوؤں نے دارا شکوہ کی حمایت کی اور راسخ العقیدہ مسلمان اورنگ زیب کے طرف دار رہے کیونکہ وہ راسخ العقیدہ اور پابند شریعت مسلمان تھا۔(۷۳)

شاہجہاں کے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خاں نے بھی اورنگ زیب کی حمایت پر کمر باندھی اور متعدد بار اس نے بھرے دربار میں اورنگ زیب کی حمایت کی اور اس وجہ سے اس نے دارا شکوہ کی ناراضگی مول لی۔ شاہجہاں کے راسخ العقیدہ درباری امراء نے بھی دارا شکوہ کے مقابلے میں اورنگ زیب کی حمایت کی۔(۷۴)

درحقیقت اورنگ زیب حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سرہندی کا بڑا معتقد تھا اور ان سے تعلق رکھتا تھا۔(۷۵) خواجہ محمد معصوم اپنی علمیت، تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے عوام میں مقبول اور عمر بھر ترویج شریعت اور احیائے سنت کے لیے کوشاں رہے۔(۷۶) ترویج شریعت اور احیائے سنت کی یہی کاوشیں علمی اور عملی سطح پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی انجام دیتے رہے تھے۔

اورنگ زیب کی زندگی ایک لحاظ سے اتباع و ترویج شریعت کی ایک نہایت روشن مثال ہے۔تخت نشینی کے فوراً بعد عہدِ اکبری سے جاری خلاف شرع آداب و رسوم و معاملات کو موقوف کردیا گیا۔تخت نشینی کے اگلے ہی سال ۱۰۶۹ھ کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی محمد ذکاءاللہ تحریر کرتے ہیں:

> ’’جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے عہد سے دفتر وجلوس کے سال وماہ کی بناء غرہ فروری پر رکھی گئی تھی اور مہینہ کا نام ماہِ الٰہی رکھا تھا۔چونکہ یہ طریقہ آتش پرست بادشاہوں اور مجوسیوں کے مشابہ تھا اس لیے بادشاہ نے شریعت کا پاس کرکے جلوس وجشن اور دفتر کے حسابوں کے لیے سال وماہ قمری عربی کا حساب مقرر کیا اور حکم دیا کہ سال شمسی پر عربی سال وماہ مقدم ہوں اور جشن نوروز بالکل موقوف ہو۔نوروز کے جشن کو موقوف کرکے جلوس ثانی کی تاریخ غرہ رمضان مقرر کرکے اس نے جلوس کا نیا سال مقرر کیا اور جشن نوروز کی جگہ جشن عید الفطر مقرر کیا‘‘۔(۷۷)

مزید تحریر کیا ہے:

> ’’بادشاہ نے سرود ورقاصی کی ممانعت کا حکم صادر کیا، جھروکہ درشن کو بھی نامشروع جان کر جھروکہ میں خود بیٹھنا اور جھروکے کے نیچے آدمیوں کے جمع ہونے کو موقوف کردیا‘‘۔(۷۸)

اسی سال اورنگ زیب نے فرزانۂ روزگار ملاعوض وجیہ کو عہدۂ احتساب پر فائز کیا تاکہ عوام کو مکروہات وغیر مشروع افعال واشیاء خصوصاً بھنگ شراب وغیرہ سے منع کردے۔(۷۹) ۱۳ر مئی ۱۶۵۹ء میں صوبائی حکام کو سرکاری سطح پر ایک حکم نامہ کے ذریعہ بھنگ کی کاشت کی ممانعت کی گئی، اس کے ساتھ ساتھ محکمۂ محاصل کے حکام کو جاری کیا گیا کہ کسانوں سے اس حکم کی متابعت کروائیں بصورت دیگر سخت سزائیں جاری کی جائیں۔(۸۰)

اہل ہند کے قدیم دستور واعتقاد کے مطابق مسلمان بادشاہ بھی علم نجوم اور منجموں پر اعتماد کرتے تھے اور ان ہی کے حسابات اور فیصلوں کے مطابق کاموں کے لیے دن مقرر تھے۔عالمگیر نے اس کو موقوف کرتے ہوئے عدالتی فیصلوں کا تمام تر انحصار امراء وحکام کی عدالتوں اور ان کے فیصلوں پر رکھا۔شرعی قاضیوں کا تقرر کیا گیا اور ان کو اعلیٰ اختیارات دئے گئے۔(۸۱) شعراء کی سرکاری سرپرستی سے بھی ہاتھ کھینچ لیا گیا۔دربار میں ملک الشعراء کا عہدہ ختم کردیا گیا۔(۸۲)

پوری سلطنت میں یکساں شرعی قانون وآئین کے اجراء اور قضاۃ کی سہولت کے لیے مستند علماء کی ایک جماعت کو

آسان فہم اور سہل عبارت میں مسائل فقہ کی تدوین ترتیب پر مامور کیا۔ مولانا نظام الدین برہانپوری (۸۳)علماء کی اس جماعت کے ذمہ دار سربراہ مقرر کیے گئے۔ انہوں نے فقہ حنفی کے ممتاز علماء کی معاونت سے عربی زبان میں چھ جلدوں پر مشتمل ایک مجموعہ تیار کیا جو ہندوستان میں ''فتاویٰ عالمگیری'' (۸۴)اور مصر، شام اور ترکی میں ''الفتاویٰ الہندیہ'' کے نام سے معروف ہے۔ (۸۵)

اورنگ زیب نے عملی سطح پر اس کام کی تیاری میں غیر معمولی شغف اور انہماک کا اظہار کیا ہے چنانچہ اس نے اپنے دور کے ممتاز اور معتمد و مستند علماء کو اس کام کے لیے مامور کیا۔ ان کو وظائف اور مدد معاش کے طور پر قطعاتِ اراضی دے کر روزمرہ کی ضروریات سے بے نیاز کیا۔ مادی سہولتوں کی فراہمی کے ساتھ ساتھ فقہ کی کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع کیا تاکہ اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ ان سب کے علاوہ خود روزانہ ایک خاص مقررہ وقت پر فتاویٰ کے علماء کے بورڈ کے صدر شیخ نظام برہانپوری کو بلا کر نہایت ہی انہماک اور ناقدانہ نظروں سے تین یا چار صفحات کا یومیہ مطالعہ کیا کرتا تھا اور شیخ نظام ان کو ان کی بھول چوک اور غلطیوں پر فوراً متوجہ کیا کرتا تھا۔ (۸۶)

بادشاہ نے اپنے خلاف بھی رعیت کو استغاثہ کرنے اور شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی اجازت دی۔ اس امر کے لیے شرعی وکلاء کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ ۱۰۸۲ھ میں بادشاہ کی جانب سے حکم جاری کیا گیا کہ جس کسی کا دعویٰ شرعی بادشاہ پر ہو وہ حاضر ہو کر وکیل بادشاہ سے رجوع کرے اور اثبات کے بعد اپنا حق حاصل کرے۔ وہ دعویدار جو بادشاہ کے حضور میں آنے کی قدرت نہیں رکھتے وہ وکیل شرعی کے ذریعہ اپنی حق رسی کا دعویٰ کریں۔ (۸۷)

اورنگ زیب کی جانب سے یہ حکم بھی جاری کیا گیا کہ بادشاہ سے ملاقات کے وقت سلام شرعی پر اکتفا کی جائے، کفار کی مانند سر پر ہاتھ نہ رکھا جائے۔ حکام بھی خاص و عام کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کریں۔ (۸۸) اورنگ زیب عالمگیر سے قبل مغل حکمرانوں کی جانب سے جاری کیے جانے والے سکے پر کلمۂ طیبہ کندہ کروایا گیا تھا۔ عوامی سطح پر استعمال ہونے والے سکے سے کلمۂ طیبہ کی بے حرمتی ہوتی تھی۔ یہ سکہ مشرکوں کے ہاتھ میں جاتا تھا، نیچے گرتا تھا، پیروں تلے آجاتا تھا، الغرض کسی بھی طرح سکے پر کلمہ کا استعمال مناسب نہ تھا۔ چنانچہ اورنگ زیب نے کلمۂ طیبہ کے نقش کو سکوں سے محو کرا دیا۔ (۸۹)

تمام پرانی مساجد اور قدیم مدارس جو امتدادِ زمانہ اور گزشتہ حکمرانوں کی عدم توجہی کی بناء پر کھنڈرات میں تبدیل ہو رہے تھے، اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے ان کی تعمیر نو کی گئی۔ امام، مؤذن، خطیب اور خدمت گار مستقل تنخواہوں کے ساتھ مقرر کیے گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مدارس میں علم حاصل کرنے والے طالب علموں کو ان کی استعداد اور صلاحیت کی مناسبت سے وظائف بھی جاری کیے گئے۔ (۹۰)

اورنگ زیب کو فطرتاً لہو و لعب و نغمہ و نشاط سے رغبت نہیں تھی۔ اپنی انصاف پرستی اور خدا شناسی کی وجہ سے عیش و طرب و

موسیقی کی جانب توجہ بھی کم تھی چنانچہ تخت نشینی کے گیارہویں سال حکم جاری کیا گیا کہ ارباب نشاط کے سرکردہ اراکین مثلاً خوشحال خاں، بہرام خان اور دیگر موسیقی دان صرف مجرائے شاہی کے لیے دربار میں حاضر ہوں لیکن نغمہ پردازی نہ کریں مگر آخیر میں بتدریج ان کی حاضری بھی بند ہوگئی۔(۹۱)

اس کے ساتھ ساتھ اورنگ زیب کی جانب سے جشنِ ولادت اور جشن تخت نشینی سادہ طریقہ سے منانے کا حکم دیا۔ امراء کے لیے زیورت اور ریشمی کپڑے پہننا ممنوع قرار دے دیا گیا۔(۹۲) بادشاہ کو سونے اور چاندی میں تولے جانے کی رسم جو''رسم تولادان'' کہلاتی تھی ختم کردی گئی۔(۹۳)

اورنگ زیب کی تخت نشینی کے موقع پر ملک میں اسی (۸۰) کے قریب ناجائز ٹیکس وصول کیے جارہے تھے۔ان میں راہداری، پنڈاری اور گنگا جمنا پر نہانے کے ٹیکس زیادہ مشہور تھے۔ان ٹیکسوں سے ملکی آمدنی میں اضافہ ہورہا تھا اور صرف راہداری سے پچیس لاکھ روپے وصول ہوتے تھے یہ تمام ٹیکس معاف کردیئے گئے۔(۹۴)(۹۵)

ان تمام اقدامات کا جائزہ اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ سترہویں صدی میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں راسخ الاعتقاد گروہ حکومت پر اپنے اثرات قائم کرنے میں کامیاب ہوچکا تھا جس کا ایک بڑا سبب اگرچہ خود اورنگ زیب کی شخصیت و کردار تھا۔تاہم بنیادی سبب دگر اعتقادی کے مقابلے میں راسخ الاعتقادی کے احیاء کے لیے سرگرم شخصیات تھیں جو درباری امراء کی صورت میں سرکاری سطح پر رسائی حاصل کرچکی تھیں۔

مراجع وحواشی

۱۔ ابوالفضل، شہزادہ سلیم کے اشارے سے بندھیل کھنڈ کے ایک زمیندار بیر سنگھ کے ہاتھوں ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا۔(بزم تیموریہ،ص۷۹)

۲۔ اشتیاق حسین قریشی۔(۱۹۸۷ء)۔برعظیم پاک وہند کی ملّت اسلامیہ۔(مترجم ہلال احمد زبیری)۔کراچی: شعبۂ تصنیف وتالیف۔جامعہ کراچی۔ص۱۹۰

۳۔ عزیز احمد۔(۱۹۹۷ء)۔برصغیر میں اسلامی کلچر۔(مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی)۔لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ص۲۷۹

۴۔ نواب مرتضٰی خان شیخ فرید، دورمغلیہ کے مشہور اکابر واعیان سلطنت میں سے تھے۔اکبر کے عہد میں وہ بخشی کے عہدے پر فائز تھے۔جہانگیر کے عہد میں ان کی دیانت، راست بازی اور محنت کی قدردانی کرتے ہوئے ان کو'مرتضٰی خان' کا خطاب اور صوبۂ گجرات کی صوبیداری عنایت کی۔کچھ عرصے کے بعد ان کو پنجاب بھیج دیا گیا۔جہاں وہ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں دار فانی سے کوچ کرگئے۔(مآثر الامرا۔بالاختصار۔جلد دوم۔ص۶۳۴۔۶۳۸)

۵۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی۔(۱۹۹۸ء)۔تکمیل الایمان۔(مترجم پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی)۔کراچی: ضیاء الدین پبلی کیشنز۔ص۲۱

۶۔ شیر محمد گریوال۔(۱۹۸۹ء)۔اسلامیان ہند کا شاندار ماضی۔لاہور: اسلامک بک سروس۔ص۱۷۳

۷۔ قاضی جاوید۔(۱۹۹۵ء)۔برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔لاہور: نگارشات۔ص۱۶۳

۸۔ ذکاالله۔(۱۹۱۷ء)۔تاریخ ہندوستان۔جلد ششم۔علی گڑھ:مطبع انسٹی ٹیوٹ۔ص ۳

۹۔ محمد میاں۔(۱۹۹۱ء)۔علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد اوّل۔کراچی:مکتبۂ رشیدیہ۔ص ۱۰۱

۱۰۔ تاریخ ہندوستان۔محولہ بالا۔جلد ششم۔ص ۲۶۲

۱۱۔ نورالدین جہانگیر۔(۲۰۰۴ء)۔تزک جہانگیری۔(مترجم مولوی احمد علی صاحب رامپوری)۔لاہور:سنگ میل پبلیکیشنز۔ص ۱۵۴

۱۲۔ ایضاً۔ص ۵۴۔۵۵

۱۳۔ ایضاً۔ص ۲۷

۱۴۔ ایضاً۔ص ۲۷

۱۵۔ علماء ہند کا شاندار ماضی۔محولہ بالا۔جلد اوّل۔ص ۹۸

۱۶۔ تزک جہانگیری۔محولہ بالا۔ص ۴۲۔۴۳

۱۷۔ علماء ہند کا شاندار ماضی۔محولہ بالا۔جلد اوّل۔ص ۱۰۰۔۱۰۱

۱۸۔ Richard Burn.(Ed).(1957).Cambridge History of India-Delhi:Chand (S) & Company.Vol.IV.P.152

۱۹۔ تزک جہانگیری۔محولہ بالا۔ص ۵۵

۲۰۔ علماء ہند کا شاندار ماضی۔محولہ بالا۔جلد اوّل۔ص ۹۱

۲۱۔ ایضاً۔ص ۹۲

۲۲۔ ایضاً۔ص ۹۲۔۹۳

۲۳۔ ایضاً۔ص ۹۲

۲۴۔ تزک جہانگیری۔ص ۱۱۸

۲۵۔ علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد اوّل۔ص ۹۴

۲۶۔ ابوالحسن ندوی۔(س ن)۔تاریخ دعوت و عزیمت۔جلد چہارم۔کراچی:مجلس نشریات اسلام۔ص ۳۱۸۔۳۱۹

۲۷۔ ایضاً۔ص ۲۹۷

۲۸۔ سعدالله علّامی ہندوستان کے مشہور وزراء میں سے تھے۔سیالکوٹ کے قصبہ چنیوٹ میں پیدا ہوئے تھے۔نشوونما لاہور میں پائی۔جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ میں انتقال ہوا۔(نزہۃ الخواطر۔جلد پنجم۔ص ۱۵۴)

۲۹۔ تاریخ ہندوستان۔محولہ بالا۔جلد ششم۔ص ۲۷۱

۳۰۔ History of India.Op.cit.Vol.IV.P.217

۳۱۔ منتخب اللباب کے مصنف خوافی خان کا اصل نام محمد ہاشمؒ ہے۔

۳۲۔ خوافی خان۔(۱۹۶۳ء)۔منتخب اللباب۔(مترجم محمود احمد فاروقی)۔حصہ دوم۔کراچی:نفیس اکیڈیمی۔ص ۳۶۔۳۷

۳۳۔ ایضاً۔ص ۳۷

۳۴۔ History of India.Op.cit.Vol.IV.P.197

۳۵۔ پرشاد سکسینہ، بنارسی۔(۱۹۸۷ء)۔تاریخ شاہ جہاں۔(مترجم ڈاکٹر سید اعجاز حسین)۔لاہور:نیشنل بک ہاؤس۔ص ۱۶۲۔۱۶۳

۳۶۔ اشتیاق حسین قریشی۔(۱۹۸۷ء)۔برعظیم پاک و ہند کی ملّت اسلامیہ۔(مترجم ہلال احمد زبیری)۔کراچی:شعبۂ تصنیف

وتالیف۔جامعہ کراچی۔ص ۲۰۴

۳۷۔ ایضاً ص ۲۰۴۔۲۰۵

۳۸۔ منتخب اللباب۔محولہ بالا۔حصہ سوم۔ص ۲۴

۳۹۔ محمد صالح کنبوہ۔(۱۹۷۱ء)،شاہ جہاں نامہ۔(مترجم ڈاکٹر ناظر حسن زیدی)۔جلد اوّل۔لاہور: مرکزی اردو بورڈ۔ص ۹۵

۴۰۔ Hasrat,Bikarma Jit.(1982).Dara Shikuh Life and Works.New Delhi:Mundhiram Manoharlal Publisher.P.3

۴۱۔ میاں میر قادری (م ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء)،حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے ہمعصر تھے۔ان کے اصل نام میر محمد تھا۔سندھ کے قدیم شہر سیہون میں پیدا ہوئے۔والدہ ماجدہ نے خود سلسلۂ قادریہ میں تعلیم دی۔وہ قدیم طرز کے صوفی بزرگوں میں سے تھے جو فنا فی اللہ ہوتے ہیں۔ان کا مزار لاہور سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں ہے جو اس مزار کی بناء پر ’’میاں میر‘‘ کہلاتا ہے۔(سکینۃ الاولیاء۔ص ۱۰۱۔۱۰۲)

۴۲۔ عباداللہ فاروقی۔(۱۹۶۸ء)۔’’حضرت میاں بالا پیر قادری‘‘۔الرحیم۔حیدرآباد: شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔۵(۹)۔ص ۱۰۱۔۱۰۲

۴۳۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔محولہ بالا۔ص ۱۶۷

۴۴۔ Dara Shikuh.Op.cit.P.65

۴۵۔ سفینۃ الاولیاء،اولیائے کرام کے احوال وسوانح پر شہزادہ داراشکوہ کی مشہور تصنیف ہے۔

Dara Shikuh.Op.cit.P.65

۴۶۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔محولہ بالا۔ص ۱۶۹

۴۷۔ شاہ محمد المعروف مُلّا شاہ قادری (م ۱۰۶۹ھ) بدخشاں کے رہنے والے تھے۔لاہور آمد کے بعد میاں میر کی شاگردی اور جانشینی کا اعزاز حاصل کیا۔ان کا مزار ’’مُلّا شاہ باغ‘‘ میں ہے۔(تذکرۂ اولیائے لاہور۔ص ۷۸)

۴۸۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔محولہ بالا۔ص ۱۶۸

۴۹۔ داراشکوہ۔(۱۹۹۲ء)۔سکینۃ الاولیاء۔لاہور: الفیصل

۵۰۔ سرمد،ایران کے ایک ارمنی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔مذہباً یہودی یا عیسائی تھا۔آغاز عمر میں اسلام قبول کیا۔ابتدائی پیشہ تجارت تھا اور اسی سبب سے ہندوستان آیا۔عہد شاہجہانی کے اواخیر میں داراشکوہ سے دہلی میں ملاقات کی۔دارا کی مانند نظریۂ وحدت الوجود کا زبردست پیروکار تھا۔عالمگیر کے حکم سے ۱۰۷۲ھ میں قتل کیا گیا۔(سرمد۔ص ۱۰تا۲۵ بالاختصار)

۵۱۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔محولہ بالا۔ص ۱۷۰

۵۲۔ Dara Shikuh.Op.cit.P.71

۵۳۔ (۱۹۹۶ء)۔رود کوثر۔لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ص ۴۴۴

۵۴۔ علماء ہند کا شاندار ماضی۔محولہ بالا۔جلد اوّل۔ص ۴۵۴۔۴۵۶

۵۵۔ بابا لال داس بیراگی،کبیر کا پیرو تھا۔(دائرہ معارف اسلامیہ۔جلد ۹۔ص ۱۴۵)

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ Dara Shikuh.Op.cit.P.216

۵۸۔ ایضاً۔ص ۲۱۷

۵۹۔ ایضاً۔ص۲۱۷

۶۰۔ ایضاً۔ص۲۳۳۔۲۳۶

۶۱۔ اپ نشد کے معنی ہیں ہم صحبت۔ یہ لفظ اپ بمعنی قریب اور نشد بمعنی بیٹھنا سے بنا ہے۔اپ نشدوں کی مذہبی عظمت تفسیروں کی ہے گویا اپنشد کے لفظی معنی ہیں کسی کے ہاں بیٹھنا، (چشتی یوسف سلیم۔تاریخ تصوف۔ص۱۸)

۶۲۔ ایضاً۔ص۴۱۰

۶۳۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔محولہ بالا۔ص۱۷۱

۶۴۔ شبلی نعمانی۔(۱۹۳۸ء)۔''مقالات شبلی''۔معارف۔اعظم گڑھ: دارالمصنفین۔جلد ہفتم۔ص۱۰۱

۶۵۔ ابوالجلال ندوی۔(۱۹۶۴ء)۔'سرا کبریا اُپ نشد'۔معارف۔اعظم گڑھ: دارالمصنفین۔۱۴(۶)۔ص۴۱۲

۶۶۔ عبدالرحمٰن، صباح الدین۔سید۔(۱۹۴۱)۔"تیموری شہزادوں کا علمی ذوق"۔معارف۔اعظم گڑھ: دارالمصنفین۔۴۸(۵)۔ص۳۵۳

۶۷۔ سرا کبریا اُپ نشد۔محولہ بالا۔ص۴۱۲

۶۸۔ محمد اسلم۔(۱۹۷۵ء)۔''داراشکوہ کے مذہبی رجحانات''۔معارف۔اعظم گڑھ: دارالمصنفین۔۸(۷)۔ص۲۷

۶۹۔ برصغیر پاک و ہند کی ملّت اسلامیہ۔محولہ بالا۔ص۲۰۵

۷۰۔ ایضاً۔ص۲۰۵

۷۱۔ محمد اسلم۔(۱۹۹۱ء)۔تاریخی مقالات۔لاہور: بک ٹاک۔ص۲۸۳

۷۲۔ Farruki,Zahiruddin.(1977).Aurangzeb-His Life and Times.Lahore:Al.Biruni-P.65

۷۳۔ Lane Poople.Stanely.(1917).A Short History of India in The Middle Ages.Bombay:K&J,Copper.P.111

۷۴۔ Aurangzeb-His Life and Times.Op.cit.P.6

۷۵۔ Yusuf Husain.(1962).Glimpses of The Medieval Indian Culture.Bombay:Asia Publishing House.P.57

۷۶۔ تاریخی مقالات۔محولہ بالا۔ص۲۸۹

۷۷۔ تاریخ ہندوستان۔محولہ بالا۔جلد نہم۔ص۸۳

۷۸۔ Jadunath Sarkar.(1981).History of Aurangzeb.Karachi:South Asian Publishers.Vol.III.P55-58

۷۹۔ محمد ساقی مستعد خاں۔(۱۹۳۲ء)۔مآثر عالمگیری۔(مترجم مولوی محمد خدا علی طالب)۔حیدرآباد دکن: جامعۂ عثمانیہ۔ص۱۷

۸۰۔ History of Aurangzeb.Op.cit.Vil.III.P.54

۸۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت۔محولہ بالا۔جلد چہارم۔ص۳۳۱

۸۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ۔(۱۹۸۵ء)۔طبع اوّل۔جلد۲۰۔لاہور: دانشگاہ پنجاب۔ص۸۲

۸۳۔ مولانا نظام الدین برہان پوری وسط ہند کے شہر برہان پور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے عہد کے مشہور عالم قاضی نصیر الدین برہان پوری سے حاصل کی۔عالمگیر شیخ نظام کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں اور دیانت و امانت کا معترف تھا اور اکثر شاہی مراعات اور امتیازات سے نوازتا تھا۔بادشاہ نے کئی مہمات بالخصوص مرہٹوں کے مقابلے پر بھی ان کو مامور کیا تھا۔شیخ نظام کی قبر برہان پور میں ہے۔(فتاوی

عالمگیر۔ص ۴۱۰)

۸۴۔ یہ کتاب ہدایہ کے بعد فقہائے حنفی کے نزدیک مستند، معتبر اور جامع ہے جو نہایت احتیاط اور سائنٹیفک طریقہ پر ترتیب دی گئی ہے۔ یہ کتاب قاہرہ میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ کتاب کی ابتداء فقہ اسلامی اور اصول فقہ کے ایک تفصیلی اور عالمانہ دیباچہ سے ہوتی ہے جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ (فتاوی عالمگیر۔ص ۳۹۹)

۸۵۔ ابصار عالم۔ (جون ۱۹۵۸ء)۔ ''فتاوی عالمگیری''۔ چراغ راہ۔ اسلامی قانون نمبر۔ کراچی: مکتبۂ چراغ راہ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۹۹

۸۶۔ ایضاً۔ ص ۴۰۶

۸۷۔ تاریخ دعوت وعزیمت۔ محولہ بالا۔ حصہ چہارم۔ ص ۳۳۲

۸۸۔ History of Aurangzeb.Op.cit.Vil.III.P.56

۸۹۔ نبی احمد سندیلوی۔ (س ن)۔ وقائع عالمگیر۔ لکھنؤ: سلطانیہ برقی پریس۔ ص ۱۵۳

۹۰۔ History of Aurangzeb.Op.cit.Vil.III.P.54

۹۱۔ مآثر عالمگیری۔ محولہ بالا۔ ص ۴۸

۹۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ۔ محولہ بالا۔ جلد ۲۰۔ ص ۸۲

۹۳۔ معین الحق، سیّد۔ (۱۹۶۵ء)۔ معاشرتی وعلمی تاریخ۔ کراچی: سلمان اکیڈمی۔ ص ۴۱۲

۹۴۔ Jadunath Sarkar.(1924).Mughal Administration Calcutta:M.C.Sarkar.P93

۹۵۔ Cambridge History of India.Op.cit.Vol IV.P221-230